غلام مصطفےٰ قاسمی

اجتماعیّت

شاہ ولی اللہؒ کی نظر میں

(۴)

مذکورہ کتاب میں اس قسم کی ایک اور عبارت، سرمایہ دارانہ نظام میں ناکارہ معاشرہ کے متعلق آئی ہے، ملاحظہ فرمائیں، شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں:

"ملک کی اکثریت خلیفہ کی عیال بن جاتی ہے، کبھی وہ یہ کہہ کر رقم وصول کرتے ہیں کہ وہ غازی ہیں اور ملک کے سیاسی مدبر ہیں اور اس سے ان کا کسی ضروری حاجت کا رفع کرنا مقصد نہیں ہوتا بلکہ باپ، دادا کی (مفت خوری والی) رسم کو قائم رکھنا ہوتا ہے، اور کبھی یہ کہہ کر خزانہ پر بوجھ بن جاتے ہیں کہ وہ درباری شاعر ہیں۔ بادشاہوں کی تو یہ عادت رہی ہے کہ شعرار کو انعام واکرام دیا کرتے ہیں، اور کبھی اپنے کو زاہد اور درویش ظاہر کرکے مانگتے پھرتے ہیں اور اس طرح وہ ایک دوسرے کی تنگی کا باعث بن جاتے ہیں اور ان کی کمائی صرف بادشاہوں (سرمایہ داروں) کی صحبت، ان کی چاپلوسی اور مدح سرائی پر منحصر رہ جاتی ہے، اور آخر کار یہ ایسا فن بن جاتا ہے کہ

ان کے تمام افکار اسی میں لگے رہتے ہیں اور اسی میں ان کا وقت بھی ضائع ہوتا ہے۔ جب کسی معاشرہ میں اس قسم کے اشغال بڑھ جاتے ہیں تو لوگوں میں گھٹیا خیالات اور پست افکار پیدا ہوتے ہیں اور وہ اخلاق صالحہ سے منہ موڑ لیتے ہیں۔" [1]

انسانی اجتماع | یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اجتماعیت پر بحث کے ساتھ کچھ انسانی اجتماع اور معاشرہ پر بھی شاہ صاحب کی رائے معلوم کی جائے تاکہ یہ بحث ادھوری نہ رہ جائے۔

شاہ صاحبؒ انسانی اجتماع کی اساس نوعِ انسان کو مانتے ہیں۔ یہ صلاحیت اس کا فطری اور نوعی تقاضا ہے۔ جہاں تک اس کی ضروریاتِ زندگی کا تعلق ہے مثلاً کھانا پینا، جنسی میلان، شدید سردی اور گرمی سے بچنا وغیرہ ان سب ضروریات میں انسان دُوسرے حیوانات کے ساتھ شریک ہے۔ قُدرت کی طرف سے ہر حیوان میں طبعی الہام کے ذریعے یہ سمجھ ودیعت کی گئی ہے کہ وہ ان ضروریات زندگی کو مادی اشیاء سے کس طرح حاصل کرے۔ اس طبعی خواہش میں انسان کے جملہ افراد اور اشخاص مساوی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان ناقص الخلقت لوگوں کو چھوڑ کر جن میں انسانی صورتِ نوعیہ کا ظہور پُورے طور پر نہیں ہوا۔ یہ طبعی الہام صرف انسان کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ دُوسرے حیوانات کو بھی ہوتا ہے جیسے شہد کی مکّھی کو الہام ہوا ہے کہ وہ کس طرح اجتماعی زندگی بسر کرے مثلاً خاص پھلوں اور پھول پتّیوں کا انتخاب اور رہائش کے لئے کس طرح چھتہ بنائے، چھتّے میں رہنے کا خاص اجتماعی طریقہ، خاص امیر یعسوب کی رہنمائی میں کام کرنا اور شہد جمع کرنا وغیرہ۔ شہد کی مکّھی کو یہ سب تعلیم اس کی فطرت

---

[1] صار جمهور الناس عيالا على الخليفة يتكففون منه تارة على انهم من الغزاة والمدبرين للمدينة يترسمون برسومهم ولايكون المقصود دفع الحاجة ولكن القيام بسيرة سلفهم و تارة على انهم شعراء الخ (حجة الله البالغة ج ١ ص ١٠٦ طبع منيريه مصر)

سے ملتی ہے۔ اسی طرح پرندوں کو بھی ان کے نوعی تقاضہ کے موافق یہ سکھایا گیا ہے کہ وہ کس دانہ دپانی کی تلاش کریں۔ بلّی اور شکاری سے کس طرح بھاگ جائیں اور ان کی ضروریات زندگی کی طلب میں اگر کوئی مزاحم ہو تو کس طرح اس سے بچیں۔ نر اور مادہ کا ایک مخصوص طریقہ پر انڈوں کو سینا اور بچوّں کو چوگا دینا، یہ سب باتیں انھیں ان کی فطرت نے سکھائی ہیں۔ اسی طرح ہر نوع کے طبعی تقاضے ہوتے ہیں۔ جو ان کی طبیعت نوعیہ کی طرف سے ان کے افراد کو ودیعت کئے گئے ہیں، لہ اسی طرح انسان کو بھی فطرت کی طرف سے اس قسم کی تعلیم دی گئی ہے کہ وہ مادّی چیزوں سے کس طرح نفع حاصل کرے اور ان کو اپنی ضرورت کے لئے کام میں لائے۔ اسی کو فلسفۂ ولی اللٰہی میں ارتفاق کہا جاتا ہے۔

انسان کی صورت نوعیہ، جب کہ دوسرے حیوانات کی صُوَرِ نوعیہ پر فوقیت رکھتی ہے۔ انسان کو نفس ناطقہ (علم کی استعداد رکھنے والا نفس) عطا ہوا ہے اور ساتھ ہی انسان زمین پر عادلانہ نظام قائم کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور اسے علم کی روشنی سے منور بھی کر سکتا ہے، اس لحاظ سے اسے تین مخصوص تقاضے بھی عطا ہوئے ہیں جو دوسرے حیوانات میں نہیں پائے جاتے:

۱۔ انسان کو ظاہری اور باطنی حواس کے علاوہ ذہن جیسی قوت بھی عطا ہوئی ہے جس کے ذریعہ وہ رائے کلی اور فکر و نظر کی صلاحیت رکھتا ہے وہ محسوس چیزوں کا ادراک کر سکتا ہے اور نظر و فکر سے نامعلوم اشیاء کو معلوم کر سکتا ہے غرضیکہ انسان کی یہ خاصیت ہے کہ کسی شئے کی طرف اس کا میلان رائے کلی سے بھی ہوتا ہے اور حیوانات میں صرف ان کی طبیعت سے کسی محسوس یا موہوم غرض مثلاً بھوک، پیاس اور جنسی میلان کی طرف شوق پیدا ہوتا ہے اور انسان کسی ایسے معقول نفع کو سامنے رکھ کر اٹھ کھڑا ہوتا ہے،

لہ اعلم ان الانسان یوافق ابناء جنسہ فی الحاجۃ الی الاکل والشرب والجماع والاستظلال من الشمس والمطر الخ (حجۃ اللہ البالغۃ ص ۳۸ طبع مصر)

جس کے لئے اس کی طبیعت خاموش ہوتی ہے۔ مثلاً اجتماع میں صالح نظام رائج کرنا یا تہذیب نفس اور تکمیل اخلاق کے لئے کوشاں رہنا یا آخرت کے عذاب سے نجات پانے کی فکر وغیرہ۔

۲۔ انسان کی دوسری خاصیت یہ ہے کہ وہ مادی چیزوں سے نفع حاصل کرنے میں لطافت اور ذوق جمال سے کام لیتا ہے، مثلاً بہائم تو صرف یہ چاہتے ہیں کہ ان کو ایسی چیز مل جائے جس سے ان کی ضرورت پوری ہو اور انسان صرف حاجت روائی کا خیال نہیں رکھتا بلکہ حسن و تحسین اور مذاق لطیف کا بھی طالب رہتا ہے، مثلاً وہ ایک حسین عورت، لذیذ طعام، عمدہ لباس اور اچھے مکان کو پسند کرتا ہے۔

۳۔ تیسری خاصیت یہ ہے کہ انسانوں کے اندر ذی عقل و فہم افراد پائے جاتے ہیں جو نوع انسانی کے لئے مادی وسائل ایجاد کرتے رہتے ہیں۔ یہ بات حیوانات اور بہائم میں نہیں پائی جاتی۔

اس سے معلوم ہوا کہ انسان دوسری مخلوقات کے برخلاف ایسے امور کا بھی اہتمام کرتا ہے کہ جو اسے نہ تو ظاہری حواس خمسہ کے ذریعہ معلوم ہوتے ہیں اور نہ وہ چیزیں وہم و خیال کے مدرکات سے ہوتی ہیں اور ان چیزوں کو صرف انسان کی عقل پسند کرتی ہے، جیسے اخلاق کو سنوارنا، نفسی کیفیات پر قابو پانا اور بڑی بڑی سلطنتیں قائم کرنا۔ یہ سب باتیں انسانی فطرت کا تقاضا ہیں، اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ باتیں انسانیت کی تاریخ میں اقوام عالم کے اندر پائی نہ جاتیں۔ کسی نوع کے افراد اگر نوعی تقاضاؤں پر عمل کرنا چھوڑ دیں تو ان کے مزاج میں خلل آجائے گا، کیونکہ نوعی تقاضاؤں پر عمل پیرا ہونے سے ان کا مزاج سالم رہتا ہے۔

معاشرہ کا ارتقاء شاہ صاحبؒ مخلوقات کے ارتقائی مدارج کی مثال سے اجتماعی اداروں کے مختلف درجات کا باہمی ربط و تعلق بھی سمجھاتے ہیں جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ انسانی معاشرہ میں ارتقاء کو اسی طرح کارفرما مانتے ہیں جس طرح کائنات کے دوسرے مظاہر میں۔

البدور البازغہ میں فرماتے ہیں : ۵۱

"انسانی معاشرہ کے ابتدائی درجہ میں اجتماعی اداروں کی تشکیل جانوروں کے اجتماع سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہوتی ، فرق اتنا ہے کہ حیوانات میں یہ ارتفاق بطور اجمال پایا جاتا تھا۔ انسانوں میں آکر یہ پوری طرح نشوونما پاتا ہے ، جس کی وجہ سے انسانی معاشرہ اپنی اس ابتدائی شکل میں بھی حیوانات کے اجتماع کی بہ نسبت زیادہ بہتر اور بلند مرتبہ ہوتا ہے ۔ حیوانی مُعاشرہ کے بعد انسانی معاشرہ کا یہ ابتدائی درجہ بالکل اسی طرح وجود میں آتا ہے جس طرح کائنات کے عناصر سے جمادات پیدا ہوتے ہیں ۔ انسانوں میں معاشرہ کا دوسرا درجہ پہلے درجہ کے بعد آتا ہے ، اس سے پہلے نہیں آسکتا اس کی مثال بالکل ایسی ہی سمجھنی چاہئے جیسے جمادات کے بعد نباتات کا آنا۔ انسانی معاشرہ کے اس درجہ میں پہلے درجہ کی تمام باتیں پائی جاتی ہیں ، لیکن اب ان میں لطافت ، عمدگی اور بہتر تنظیم پیدا ہوجاتی ہے ، دوسرے درجہ کے بعد انسانی معاشرہ کے تیسرے درجہ کا آنا نباتات کے بعد حیوانات کی تخلیق کی مانند ہے جس طرح حیوانات میں نباتات کی خصوصیات پائی جاتی ہیں ، اسی طرح اس تیسرے درجہ میں دوسرے درجہ کی صفات بھی ہوتی ہیں لیکن ذرا مختلف شکل میں ۔ حیوانیت کے بعد انسانیت کی منزل آتی ہے ۔ ارتفاقات (اجتماعی اداروں) میں اس کی مثال تیسرے اور چوتھے درجہ کو سمجھنا چاہیئے ۔" ۵۲

---

۵۱ فالارتفاق الاول مبنی علی ارتفاق البهائم فزاد علیه بصفاء واتصال ولطافة وظرافة کمثل ابتناء المعادن علی الموالید الخ (البدور البازغة ص ۵۱ طبع مجلس علمی)

۵۲ ترجمہ از شاہ ولی اللہ کے عمرانی نظریے صفحہ ۵۹

معاشرہ کی منزلیں بدور بازغہ کی مذکورہ تحقیق کی بناء پر شاہ صاحبؒ کے ہاں انسانی معاشرہ یا اجتماع کو اپنے ارتقاء میں چار منازل سے گزرنا پڑتا ہے اور شاہ صاحبؒ کے فلسفہ میں ان کو "ارتفاقات" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ان میں سے انسانی اجتماع کی پہلی منزل وہ بنیادی منزل ہے جس سے انسانی معاشرہ کا کوئی فرد بھی بے نیاز نہیں ہوسکتا۔

انسان کی مذکورہ خصوصی صفات سب افراد میں ایک جیسی نہیں پائی جاتیں اس لئے شاہ صاحب نے "ارتفاقات" کی دو حدیں قائم کی ہیں ایک وہ ہے جس سے انسانوں کا کوئی چھوٹے سے چھوٹا معاشرہ بھی بے نیاز نہیں ہوسکتا، چاہے وہ انسانی اجتماع پہاڑوں کی چوٹیوں پر بھی کیوں نہ رہتا ہو، یا مہذب ممالک سے دور دراز اطراف میں رہتا ہو، شاہ صاحبؒ کے فلسفہ کی اصطلاح میں اس کا نام ارتفاق اول ہے۔ اس مرتبہ کی ایک بنیادی چیز زبان ہے جس کے ذریعہ انسان اپنے دل کی بات دوسروں کو سمجھاتا ہے، اور اپنے خیالات سے دوسروں کو زبان کی وساطت سے مطلع کرتا ہے۔ اگر کسی معاشرہ یا اجتماع میں اپنے دل کی بات دوسروں کو سمجھانے کے لئے کوئی زبان نہ ہو تو ایسا معاشرہ کسی بھی کام کو اجتماعی طور سے سرانجام نہیں دے سکتا۔

شاہ صاحبؒ نے اس منزل میں جس زبان کو ضروری قرار دیا ہے وہ اس کی ابتدائی شکل ہے مثلاً جن چیزوں کا بینائی پر اثر پڑتا ہے یا وہ باتیں جن سے انسان میں بعض وجدانات اور احساسات کی تحریک ہوتی ہے اور پھر انسان کوشش کرتا ہے کہ کسی مناسب آواز اور الفاظ کے ذریعے اپنے اس وجدان یا احساس کا اظہار کرے اور دوسرے کو سمجھلائے۔ اس قسم کے الفاظ اور عبارات کو کسی زبان کا ابتدائی مرحلہ سمجھا جاتا ہے اس کے بعد اس زبان میں روز بروز وسعت ہوتی رہتی ہے۔

معاشرے کے اس پہلے مرتبے کی دوسری چیزیں یہ ہیں: کھیتی باڑی، کنویں کھودنا، کھانے پکانے کی کیفیت معلوم کرنا، برتن وغیرہ بنانا، چوپایوں کی پرورش کرنا اور ان کو سواری کے کام میں لانا اور ان کے گوشت پوست، بال، پشم، دودھ اور نسل سے نفع

حاصل کرنا وغیرہ۔ پوشاک اور جائے رہائش بھی اس پہلے مرتبے کی ضروریات میں داخل ہیں۔ اس منزل میں انسان کے لئے ایک رفیقہ حیات کی بھی ضرورت ہوتی ہے جس میں کوئی دوسرا انسان مزاحمت نہ کرسکے، اس سے وہ جنسی جذبات کی تسکین کے ساتھ بقائے نسل اور گھریلو کاروبار میں مددگار کا کام بھی لیتا ہے۔ [۵]

انسانی معاشرہ کی پہلی منزل کی پابندی تمام اقوام اور قبائل کے لئے بے حد ضروری ہے اس کی پابندی کئے بغیر ان کا اجتماعی زندگی بسر کرنا دشوار بلکہ ناممکن ہے۔

معاشرہ کی دوسری منزل انسانی اجتماع معاشرتی ارتقاء میں پہلی منزل عبور کرنے کے بعد ترقی کا راستہ ہموار کرتا ہوا جب آگے بڑھتا ہے تو انسانی اجتماع کی یہ دوسری منزل کہلاتی ہے اور فلسفہ ولی اللٰہی میں اس کا نام ارتفاق دوم ہے۔

اس میں انسان پہلی منزل کی سادہ شکل پر قناعت نہیں کرتا، بلکہ اپنی ضروریات پورا کرنے کے لئے اچھے ذرائع کی تلاش جاری رکھتا ہے اور اس عرصہ میں اس کے مشاہدہ تجرباتی اور فطری علوم میں برابر اضافہ ہوتا رہتا ہے اور آگے چل کر معاشرے کے اجتماع کی دوسری منزل وجود میں آتی ہے۔

ارتفاق دوم یا معاشرہ کو ترقی کے راستے پر لے جانے کے لئے کن چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے؟ اس کی وضاحت کے لئے شاہ صاحبؒ نے اپنی مشہور عالم تصنیف حجۃ اللہ البالغہ میں تین ابواب رکھے ہیں:

۱۔ فن آداب معاش ۲۔ تدبیر منزل ۳۔ اقتصادیات یا فن معاملات۔

فن آداب معاش میں زندگی کے ایسے اصول اور موزوں طریقے بتائے جاتے ہیں جن کی روشنی میں معاشرہ کی پہلی منزل کی ضروریات زندگی کو صحیح تجربات اور مشاہدہ کی

---

[۵] ولما کانت ھذہ الثلثۃ لا توجد فی جمیع الناس سواء، کان للارتفاق حدان: الاول ھو الذی لا یمکن ان ینفک عنہ اھل الاجتماعیات القاصرۃ کاھل البدو وسکان شواھق الجبال والنواحی البعیدۃ من الاقالیم الصالحۃ الخ (حجۃ اللہ البالغہ ص ۲۹ طبع منیریہ مصر)

کسوٹی پر پرکھا جاتا ہے اور پھر ان میں سے وہ باتیں اختیار کی جاتی ہیں جن کا نفع بہت زیادہ اور نقصان بہت کم ہو۔ اور یہ طور طریقے رائے کلی اور مذاق لطیف کے عین مطابق ہوتے ہیں، مثلاً کھانے، پینے، رہنے سہنے، اوڑھنے پہننے اور طرز زندگی کے موزوں طریقے اختیار کرنا اور شائستگی کا خیال رکھنا یہ سب باتیں رفاہیت اور خوش حالی سے حاصل ہوسکتی ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ اس میں رفاہیت بالغہ (بے حد آرام طلبی) اور باہمی نزاع کی صورت پیدا نہ ہو۔

تدبیر منزل | تدبیر منزل[۵] حکمت کا ایک فن ہے جس میں یہ معلوم کیا جاتا ہے کہ گھر والوں کے باہمی ربط وضبط اور تعلقات میں ارتفاق کی ترقی یافتہ شکل کی حفاظت کی کیا صورت ہونی چاہیئے، اس میں حسن تدبیر اور رائے کلی کا لحاظ رکھا جاتا ہے تدبیر منزل کا بنیادی اصول یہ ہے کہ انسان کو بقائے نوع کے لئے توالد وتناسل کی ضرورت تھی جس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ میاں بیوی دونوں حسن معاشرت اور خوش اسلوبی سے زندگی بسر کریں۔ جب ان کو اولاد پیدا ہوتی ہے تو فطری طور پر ان کے دلوں میں اولاد پر شفقت کرنے کا جذبہ بھی پیدا ہوتا ہے اور دونوں مل کر اولاد کی تربیت کرتے ہیں۔ مرد اور عورت کی طبیعتیں فطری طور پر کچھ مختلف خاصیتیں رکھتی ہیں، عورت کے اندر امور خانہ داری کو بہترین صورت پر سرانجام دینے کی قابلیت موجود ہے۔ مرد نسبتاً زیادہ محنت اور مشقت کے کام سرانجام دے سکتا ہے۔ ان دونوں کا اپنے فطری تقاضوں کے موافق گھر کا کاروبار چلانا حسن معیشت کی بنیاد ہے، اور اس تعلق کو برقرار رکھنے کے لئے یہ بھی ضروری ہوتا ہے کہ گھر کے افراد میں مساوات کے احساس کے ساتھ باہمی فرق مراتب کا احترام بھی صحیح طور پر موجود رہے۔ شاہ صاحبؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں فن تدبیر پر بڑی تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے۔ تفصیل کے لئے اس کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔

---

۵ وھو الحکمۃ الباحثۃ عن کیفیۃ حفظ الربط الواقع بین اھل المنزل علی الحد الثانی من الارتفاق الخ حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۴۱ طبع منیریہ۔ مصر۔

اقتصادیات یا معاملات اجتماع کے دوسرے مرتبہ کی یہ خاصیت تھی کہ ضروریاتِ زندگی کو اچھی صورت میں پیش کیا جائے اور ان کے حاصل ہونے کے بعد معاشرہ خوشحال کہلائے اس صورت میں معاشرہ کے ہر فرد کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ انسانی زندگی کی جملہ ضرورتوں کو پورا کرنے میں خوب صورتی اور مذاق لطیف کا خیال رکھا جائے۔ جب نوعِ انسانی کے افراد کی ضروریاتِ زندگی بڑھ گئیں اور ان میں نفاست اور پاکیزگی کا خیال بھی ملحوظ ہوا تو اس صورت میں یہ ناممکن تھا کہ ایک فرد اپنی ضرورت کی تمام چیزیں خود تیار کرے، اس لئے مختلف افراد ضرورت انسانی کی اشیاء کی تیاری میں لگ گئے اور اس طرح مختلف پیشے وجود میں آئے، اور پھر ان کے لئے یہ ضروری ہوا کہ ایک دوسرے کے ساتھ لین دین اور معاملہ کر کے اجتماعی زندگی بسر کریں۔

پیشوں کے اس تنوع سے یہ صورت حال پیدا ہوگئی کہ ہر شخص انسانی ضرورت کی ایک چیز تیار کرنے لگا حالانکہ اس کو زندہ رہنے کے لئے اور بہت سی اشیاء کی ضرورت ہے۔ اس لئے معاشرہ کے سب افراد کے لئے جملہ ضروریاتِ زندگی سے فائدہ اٹھانے کی سہل صورت یہ تھی کہ مبادلہ اجناس کے طریقہ کو رائج کیا جائے۔ مثلاً ایک کسان دوسرے کسی پیشہ ور کو غلہ دے کر تبادلہ میں اپنی ضرورت کی چیز حاصل کرے ایک مدت تک لوگوں نے آپس میں تبادلہ کی یہ صورت اختیار کی مگر اس میں ایک طرف طرفین کو تکلیف اٹھانی پڑتی تھی تو دوسری طرف یہ صورت بھی پیدا ہوگئی کہ مثلاً ایک شخص کے پاس اناج ہے اور اس کو روئی کی ضرورت محسوس ہوئی، دوسرے کے پاس روئی تو ہے لیکن سر دست اس کو غلہ کی ضرورت نہ تھی، غلہ اس کے پاس موجود تھا، جب یہ دشواری پیش آئی تو اس دشواری کا حل یہ تلاش کیا گیا کہ معدنی اشیاء (سونے اور چاندی) کو مبادلہ کا ذریعہ بنایا گیا، اس لئے کہ سونا اور چاندی اس غرض کے لئے نہایت موزوں تھے کیونکہ ان کی ضخامت کم تھی اور ان کے لانے اور لے جانے میں آسانی رہتی تھی، اور ان کے اجزاء میں مماثلت اور یکسانی پائی جاتی ہے، گویا سونے اور چاندی کی تخلیق ہی اس غرض کے لئے ہوئی ہے کہ ان کو نقدی کے طور پر

استعمال کیا جائے ، دوسری کسی چیز میں یہ سب اوصاف ایک جگہ نہیں پائے جاتے ۔
معاشرہ کے اس دوسرے درجے میں قدیم دور کے اندر اگرچہ اصلی پیشے محدود تھے مگر انسانی ضروریات بڑھتی رہیں تو کسب اور پیشہ کے مفہوم میں بھی وسعت آتی گئی اور انسانی ضروریات کو پورا کرنے کے طریقے بھی بدل گئے اب ہر ایسی جدوجہد کو پیشہ کہنے لگے جس سے معاشرہ کی تکمیل ہوتی اور اجتماعی زندگی بسر کرنے میں سہولت پیدا ہوتی ہو، اس لئے معاشرہ کے ہر فرد کا یہ فریضہ ہے کہ وہ دوسرے افراد سے زندگی کی دوڑ میں الگ تھلگ نہ رہے بلکہ اپنی اور دوسرے انسانوں کی ضروریات زندگی حاصل کرنے کی جدوجہد میں برابر کا شریک رہے ، اس کے لئے مضبوط قسم کی تنظیم کی ضرورت پیش آئی جس سے معاشرہ کا تیسرا مرتبہ وجود میں آگیا ۔[1]

معاشرہ کی تیسری منزل معاشرہ کی یہ تیسری منزل دوسری منزل کا فطری نتیجہ ہے جس میں معاشرہ ایک وسیع اور متحد نظام کی شکل اختیار کرتا ہے اور اسی سے مملکت کی بنیاد پڑتی ہے مثال کے طور پر جب ہر شخص کا پیشہ ایک دوسرے سے الگ ہوجاتا ہے اور انھیں باہمی امداد کی زیادہ ضرورت پیش آتی ہے تو اس وقت ایک مضبوط سیاسی نظام کی بہت زیادہ ضرورت پیش آتی ہے ، اس قسم کے مضبوط نظام اور مملکت کو شاہ صاحبؒ ارتفاق سوم یا معاشرے کی تیسری منزل قرار دیتے ہیں ، اس مملکت کے بارے میں شاہ صاحبؒ نے اپنی مشہور تالیف البدور البازغۃ میں جو وضاحت فرمائی ہے اسے یہاں بیان کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے :-

"بیشک جب انسان باہمی معاملہ کرتے ہیں تو اس کے نتیجے میں متاع تجارت کے مبادلہ کی مختلف صورتیں وجود میں آتی ہیں ، اس سے یہ بات واضح ہوتی

---

[1] والاصل فی ذلک انہ لما ازدحمت الحاجات وطلب الارتفاق فیھا علی وجہ تقر بہ الاعین تعذر اقامتھا من کل واحد وکان بعضھم وجد طعاما فاضلا عن حاجتہ الخ صفحہ ۴۳ (حجۃ اللہ البالغہ)

ہے کہ لوگوں کے درمیان مثلاً کاشتکاروں، تاجروں اور کپڑا بُننے والوں وغیرہ کا باہمی رشتہ اور اتحاد پایا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں کے باہمی تعاون سے نظام مملکت وجود میں آتا ہے۔ حقیقی مملکت چار دیواری، قلعہ اور تجارتی مرکز کا نام نہیں۔ اگر بہت سے شہر ایک دوسرے کے قرب و جوار میں ہیں اور ان کے باشندوں کا باہمی معاملہ اور لین دین جاری ہے تو یہ بھی ایک مملکت کہلائے گی۔"

معاشرہ کی چوتھی منزل شاہ صاحبؒ کی نظر میں یہ منزل سیاست مدنیہ کی ایک شاخ ہے اور معاشرہ کے ارتقاء کے دوران جو بین الاقوامی حکومت وجود میں آتی ہے وہ معاشرہ کی چوتھی منزل ہے۔ یہ ایک ایسی وحدت ہے جو مختلف اکائیوں کی ترکیب سے ایک اکائی بن جاتی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ جب ہر ایک مُلک میں الگ حکومت ہو اور ہر ایک کے ذرائع آمدنی، اس کا خزانہ اور اس کی محافظ فوج علحدہ ہو تو ان کے مختلف امزجہ اور ان کی الگ الگ استعداد اس کی باعث بنتی ہے کہ ان میں ظلم رواج پکڑے اور سنت راشدہ کو چھوڑ دیں اور ہر ایک مملکت جذبۂ طمع سے تحریک پاکر دُوسری مملکت پر غلبہ کی خواہاں ہو۔ مختلف مملکتوں کی یہ نوعیت ایک عظیم طاقتور نظام اور بین الاقوامی مملکت کی ضرورت پیدا کرتی ہے، جس میں یہ صلاحیت ہو کہ دوسری تمام مملکتوں کو پُرامن رہنے کے لئے قابو میں رکھے۔ یہ ضرورت ایک اعلیٰ خلافت کی شکل یا ایک بین الاقوامی حکومت سے پوری ہو جاتی ہے۔

ارتفاقِ چہارم یا معاشرہ کی چوتھی منزل کے متعلق شاہ صاحبؒ کی مذکورہ تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف ایک امیر کی اطاعت مرکزیت کے لئے ضروری ہے۔ عصر حاضر کے نوجوان اسے ضروری نہیں سمجھتے۔ اس سلسلے میں علامہ عبیداللہ سندھیؒ کی طرف سے اس مسئلہ کی وضاحت پیش کی جاتی ہے، حضرت علامہ استاد فرماتے ہیں:

"آج کل کے سیاسی نظاموں میں اہل علم صرف ایک امیر کی اطاعت کو مرکزیت کے لئے ضروری نہیں سمجھتے، ان کے نزدیک اس سے خرابیاں پیدا ہونے

کے زیادہ امکانات ہیں۔ شاہ صاحبؒ اس کا علاج تجویز کرتے ہیں کہ ایک "بورڈ" ہو جس کے ارکان کے ہاتھ میں الگ الگ اختیارات ہوں۔ جہاں تک میری معلومات ہیں میں نے کسی مذہبی عالم کے ہاں اس طرح کا فکر نہیں پایا۔ شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ایک کامل ریاست میں جس میں بہت سے افراد ہوتے ہیں، نظام قائم رکھنے کے لئے ایک ایسا آدمی ہونا چاہیئے جو اکیلا سب امور کی کفالت کرے اور وہ "الامام الحق" ہوتا ہے، لیکن اس کے ساتھ ہی ارشاد ہوتا ہے: "وقلما یوجد ذلک" اور ایسا آدمی کم ہی ملتا ہے چنانچہ اکثر دو تین امور ایک آدمی کی تحویل میں ہوتے ہیں اور باقی امور دوسرے کے پاس۔

شخصی حکومت کے بجائے عقلائے قوم کی حکومت کی یہ تجویز پارلیمینٹری نظام کا نقطۂ آغاز ہو سکتی تھی۔ کاش اس وقت اس کی طرف توجہ کی جاتی۔"

"اقترابات" جن سے مراد قرب الٰہی کے حصول ذرائع اور "ارتفاقات" جو عبارت ہیں معاشی، سیاسی واجتماعی تدابیر سے، شاہ صاحبؒ کے نزدیک ان دونوں کے لئے اسلام صراط مستقیم پیش کرتا ہے۔ اس نے قیصریت وکسرویت کو ختم کر کے "ارتفاقات" میں راہ وسط پیدا کی۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی حکمت آفریں طبیعت کا یہ خاص کمال ہے کہ انھوں نے یہ بتایا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا ایک مقصد معاشی ناہمواریوں کا خاتمہ کرنا بھی تھا۔[۱]

ذریعۂ پیداوار معاشرہ کے معاشی نظام کی بہتری کا مدار ذرائع پیداوار پر بھی ہے اور اس کا نہایت اہم ذریعہ زمین ہے۔ قرآن مجید میں زمین کے متعلق ارشاد ہوتا ہے: وَلَقَدْ مَكَّنَّاكُمْ فِي الْأَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ ـــ وَالْأَرْضَ وَضَعَهَا لِلْأَنَامِ یعنی ہم نے زمین میں تم کو حکومت دی اور زمین ہی میں تمہارے لئے سامان

---

[۱] ماہنامہ الرحیم اردو صفحہ ۱۳ اپریل ۱۹۶۴ء۔

معاش رکھا۔ اور زمین کو حق تعالیٰ نے عام انسانوں کے فائدے کے لئے بنایا ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحبؒ بنیادی معاشی وسائل میں سے زراعت کو اس قدر اہمیت دیتے ہیں کہ جس ملک میں اس کے وسائل موجود ہوں، اس جگہ اگر اس سے بے پروائی برتی جائے تو اس ملک کی تمدنی حالت کبھی درست نہیں رہ سکتی اور اس کا فاسد اور برباد رہنا یقینی ہے کیونکہ خام اجناس کی پیداوار کے بغیر نہ تجارت چل سکتی ہے اور نہ صنعت و حرفت بروئے کار آسکتی ہے۔[1]

چنانچہ شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں:

"پس اگر باشندگان ملک کی اکثریت صنعت و حرفت اور شہری سیاسیات ہی میں مصروف رہے اور زراعت اور مویشیوں کی حفاظت اور پرورش کی جانب بہت تھوڑے لوگ مشغول ہوں تو ان کی دنیاوی عدنی زندگی فاسد اور خراب ہوجائے گی"[2]

اور آگے چل کر زراعت، تجارت اور صنعت کو مدنی حیات کا اہم جزء قرار دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ

"جب قومیں معاشی وسائل کو چھوڑ کر عیش پرستانہ وسائل زندگی اختیار کرلیتی ہیں اور سرمایہ دارانہ سربلندیوں اور مسرفانہ رفاہیت میں باہمی مقابلہ کو معیار حیات بنالیتی ہے تو وہ کبھی مدنی زندگی میں پھل پھول نہیں سکتیں اور ان کی یہ غیر طبعی عیش کوشی ان کو جلد ہی لے ڈوبتی ہے۔"[3]

فاذا اقبل جم غفیر منھم الی ھذہ۔ پس جب باشندگان ملک کی بڑی اکثریت اس قسم

---

[1] اسلام کا اقتصادی نظام۔ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی صفحہ ۱۶۸

[2] فانھم ان کان اکثرھم مکتسبین بالصناعات والقلیل مکتسبین بالرعی والزراعۃ فسد حالھم فی الدنیا۔ حجۃ اللہ البالغہ جلد ۲ ص۱۰۹

[3] اسلام کا اقتصادی نظام صفحہ ۱۶۹

الاکتساب اهملوا مثلها من الزراعات والتجارات . واذا اتفق عظماء المدينة فيها الاحوال اهملوا مثلها من مصالح المدنية وجر ذلك الى التضييق على القائمين بالاكتساب الضرورية كالزراع والتجار والصناع وتضاعف الضرائب عليهم وذلك ضرر بهذه المدنية يتعدى من عضو منها الى عضو حتى يعم الكل و يتجارى فيها كما يتجارى الكلب فى بدن المكلوب.

کے (غیر طبعی اور غیر مفید) کسب و اکتساب میں منہمک ہوجاتی ہے تو زراعت اور تجارت جیسے کسب و ہنر چھوڑ بیٹھتی ہے اور جب شہر کے رؤسا اور اُمراء ایسے غلط وسائل معیشت پر خرچ کرتے ہیں تو ایسے لوگ مدنی مصالح کو برباد کردیتے ہیں اور آہستہ آہستہ یہ غلط انہماک ان لوگوں کی مصیبت کا باعث بن جاتا ہے جو اہم اور ضروری معاشی وسائل کی جانب مشغول ہیں مثلاً کاشتکار، تجار اور صناع ۔نیز یہ فاسد انہماک ان پیشہ ور افراد پر بھاری ٹیکسوں کا باعث ہوجاتا ہے اور یہ مدنی زندگی کے لئے اس قدر نقصان دہ بن جاتا ہے کہ اعضاء جماعت کے ایک عضو (فرد) سے متعدی ہوکر دوسرے عضو (فرد) تک پہنچتا ہے اور آہستہ آہستہ تمام اعضاء (افراد) جماعت میں داء الکلب کی طرح متعدی ہوجاتا ہے۔ [۵]

زمینداری سسٹم | زمین کی پیداوار کی اہمیت کے بعد "زراعت" کی شرعی اہمیت سمجھنی بھی ضروری ہے۔

زراعت دو طرح کی مروج ہے ایک یہ کہ کوئی شخص زمین کو خود کاشت کرے ۔اور دوسرے یہ کہ اپنی زمین کو بٹائی کے طور پر دوسرے کو کاشت کے لئے دیدے اِس دُوسری صورت کو شرعی اصطلاح میں مُزَارَعَۃ کہا جاتا ہے ۔ ملک میں اس کی جو ظالمانہ روش جاری ہے جس میں کسان یا ہاری پر بے حد مظالم ڈھائے جاتے ہیں، اور کسان زمیندار کا

---

۵ حجۃ اللہ البالغۃ جلد ۲ صفحہ ۱۰۶

غلام بن جاتا ہے، اسے درست تسلیم کرنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ باقی مزارعۃ کی وہ صورت جو اسلام کے قرن اول میں رائج تھی، اس کا بھی حکم سن لیجئے۔

مسند امام ابو حنیفہؒ میں کتاب المزارعۃ کے تحت دو روایتیں درج ہیں ایک حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اور دوسری حضرت رافع بن خدیجؓ سے، ان دونوں روایتوں میں زمینداری کو ناجائز قرار دیا گیا ہے۔ احادیث اور ان کا ترجمہ درج ذیل ہے:

ابوحنیفہ عن ابی الزبیر عن جابرؓ قال نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن المخابرۃ۔	ابوحنیفہ، ابوالزبیر کے واسطے سے حضرت جابرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا مُخَابَرہ سے۔

مزارعہ و مخابرہ یہ ہردو قریب المعنی لفظ ہیں اور زمین کو زراعت کے لئے کرایہ پر دینے کی دو شکلیں ہیں:

۱۔ مزارعہ: یہ کہ پیداوار کے کسی حصہ کے عوض میں مثلاً نصف یا تہائی یا چوتھائی کے بدلہ میں زمین کرایہ پر دی جائے اور بیج مالکِ زمین کا ہو۔

۲۔ مخابرہ میں بھی یہی صورت ہوتی ہے مگر اس میں بیج عامل یا کاشتکار کا ہوتا ہے۔

اراضی زرعی کرایہ پر دینے کی یہ ہردو صورتیں امام ابوحنیفہ، مالکؒ اور شافعیؒ کے نزدیک اس اور اس نوعیت کی دیگر احادیث کے تحت ناجائز ہیں۔

ابوحنیفہ عن ابی حصین عن رافع بن خدیج عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ مر بحائط فاعجبہ فقال لمن ھذا؟ فقلت لی فقال من این ھو لک؟ قلت استاجرتہ۔ قال:	امام ابوحنیفہؒ سے بوساطت ابی حصین، حضرت رافع بن خدیجؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایک باغ پر ہوا جو آنجنابؐ کو بہت پسند آیا۔ آپؐ نے فرمایا: یہ کس کا ہے؟ میں نے کہا یہ میرا ہے۔ پھر آپؐ نے فرمایا کہ یہ تم نے کہاں سے لیا؟ میں نے کہا کہ میں نے اس کو اجارہ پر لیا ہے آپ نے فرمایا کہ اس کی پیداوار کے کسی حصہ کے عوض اجارہ پر نہ لینا۔

وفی روایة ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم مرّ بحائط فقال لمن ھذا فقلت لی وقد استاجرته فقال فلا تستاجره۔

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک باغ پر گزرے تو آپؐ نے فرمایا کہ یہ کس کا ہے؟ (حضرت رافعؓ کہتے ہیں) میں نے کہا یہ میرا ہے اور میں نے اس کو اجارہ پر لیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ اس کو اجارہ پر نہ لے۔ لہ

امام مسلم نیشاپوری اپنی کتاب صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ والی روایت کو متعدد طرق سے لائے ہیں مسئلہ کی وضاحت کے لئے چند روایات پیش کی جاتی ہیں:

(۱) عن جابر بن عبد اللہؓ قال نھٰی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن کراء الارض۔

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین کو کرایہ پر دینے سے منع فرمایا۔

(۲) عن جابرؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من کانت له ارضٌ فلیزرعھا فان لم یزرعھا فلیزرعھا اخاه۔

حضرت جابرؓ سے روایت ہے، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس کے پاس زمین ہو تو اس میں خود کاشت کرے اور اگر خود کاشت نہیں کرتا تو اپنے بھائی کو (بلاعوض) کاشت کے لئے دیدے۔

(۳) عن جابر بن عبد اللہؓ قال کان لرجال فضول ارضین من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من کانت له فضل ارض فلیزرعھا اولیمنحھا اخاه۔ فان ابی فلیمسک ارضه

حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ایک کے پاس زائد زمین تھی۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اگر کسی کے پاس زائد زمین ہو تو خود کاشت کرے یا اپنے بھائی کو دیدے اگر ایسا نہیں کرتا تو اپنی زمین کو اپنے پاس روکے رکھے۔ (یہ ایک قسم کی تہدید ہے)

(۴) عن جابرؓ قال قال رسول اللہ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا

لہ مسند امام ابوحنیفہ مع ترجمہ مولانا سعد حسن خان۔ صفحہ ۳۱۲۔ مطبع سعیدی قرآن محل کراچی

صلی الله علیه وسلم من کانت له ارض فلیزرعها فان لم یستطع ان یزرعها وان عجز عنها فلیمنحها اخاه المسلم ولا یواجرها ایاه ۔ ۵۱

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس کے پاس زمین ہو تو اس میں خود کاشت کرے، اگر خود کاشت کرنے کی طاقت نہیں رکھتا اور عاجز ہے تو اپنے مسلمان بھائی کو یہ زمین (مفت) دیدے اور اس زمین کو اجارہ پر نہ دے۔

زمینداری ائمۂ مذاہب کی نظر میں زمین کو بٹائی پر دینے کی جو مروجہ صورت ہے اس کو امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ تینوں ناجائز قرار دیتے ہیں، البتہ ایک صورت ایسی ہے جس کو جائز قرار دیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ نقد رقم لے کر زمین کو کرایہ یا ٹھیکے پر دیا جائے، اس میں زمین کی پیداوار کی تقسیم نہیں ہوتی۔ حضرت حسن بصریؒ نے اس کو بھی ناجائز قرار دیا ہے اور امام طاؤس کی بھی یہی رائے ہے جیساکہ امام نوویؒ نے صحیح مسلم کی شرح میں اس کا ذکر فرمایا ہے:

امام مالکؒ نے اس سلسلے میں ایک روایت حضرت رافع بن خدیج سے اس طرح ذکر فرمائی کہ پیغمبر علیہ السلام نے زمین کو کرایہ پر دینے سے منع فرمایا۔ حنظلہ بن قیس جو حضرت رافعؓ سے یہ روایت کرتے ہیں کہتے ہیں کہ میں نے حضرت رافع بن خدیج سے پوچھا کہ کیا سونے اور چاندی کے عوض پر بھی زمین کو کرایہ پر دینا ناجائز ہے؟ حضرت رافع نے فرمایا اس میں کوئی حرج نہیں۔ ۵۲

زمینداری کی مروجہ صورت کو امام احمدؒ اور امام ابوحنیفہؒ کے دو شاگرد امام ابویوسفؒ اور

---

۵۱ صحیح مسلم اصح المطابع کراچی صفحہ ۱۱-۱۲

۵۲ مالك عن ربيعة بن عبد الرحمن عن حنظلة بن قيس الزرقي عن رافع بن خديج ان رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن كراء المزارع . قال حنظلة فسألت رافع بن خديج بالذهب والورق ؟ فقال اما بالذهب والورق فلا باس به. مؤطا ۔ کتاب المزارعة ۔

امام محمدؒ جائز قرار دیتے ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اس اختلاف کی قدرے وضاحت کردی جائے۔ علامہ سمرقندی (وفات ۵۳۹ھ) اپنی مشہور تالیف تحفۃ العلماء میں فرماتے ہیں:

المزارعۃ عبارۃ عن عقد الزراعۃ ببعض الخارج وکذا المعاملۃ هو اجارۃ العامل لیعمل فی کرمه و اشجاره من السقی والحفظ ببعض الخارج۔

مزارعت" نام ہے زمین کو بٹائی پر دینے کا معاملہ کرنا اور "معاملہ" بھی اسی طرح ہے، اس میں انگور اور دوسرے پھلدار درختوں کی حفاظت اور پانی دینے کے لئے مزدور اس کرایہ کے عوض لیا جاتا ہے کہ باغ کے پھلوں کا ایک مقرر حصہ اس کو ادا کیا جائے۔

فقال ابوحنیفۃ: کلتاهما فاسدتان غیر مشروعتین۔ وقال ابویوسف ومحمد: کلتاهما مشروعتان۔ [1]

امام ابوحنیفہؒ دونوں صورتوں کو ناجائز اور غیر مشروع قرار دیتے ہیں اور امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ کا قول ہے کہ دونوں صورتیں جائز اور مشروع ہیں۔

ملک العلماء علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی نے اپنی مشہورِ عالم تالیف البدائع والصنائع میں امام ابوحنیفہؒ کی رائے کو ترجیح دیتے ہوئے امام ابویوسف اور محمدؒ کے استدلال کا مدلل جواب دیا ہے۔

علامہ کاسانی لکھتے ہیں کہ امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ نے مزارعۃ کے جواز میں خیبر کے معاملہ سے استدلال کیا ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے یہودِ خیبر کو باغات معاملہ کے طور پر اور اس کی اراضی مزارعت کے طور پر دیئے تھے۔ پیغمبر علیہ السلام کے فعل سے کم از کم جواز تو معلوم ہوگیا۔ اور دوسرے یہ کہ سلف اور خلف کا اس پر تعامل رہا ہے اور اس کا انکار نہیں کیا۔

امام ابوحنیفہؒ کا یہ فرمانا ہے کہ خیبر کا معاملہ مزارعہ نہیں تھا، بلکہ یہ جزیہ تھا جو اُن سے وصول کیا جاتا تھا اور اس کو مزارعت پر حمل کرنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ حضورؐ نے یہودیوں

---

[1] تحفۃ الفقہاء جلد ۳ صفحہ ۴۴۲ طبع جامعہ دمشق

سے یہ فرمایا تھا کہ اقرکم ما اقرکم اللہ یعنی میں اس وقت تک تم کو ان اراضی پر رکھتا ہوں جب تک اللہ تم کو رکھے۔ اس میں تو مدت کی لاعلمی ہے، معاملہ کی کوئی متقرر مدت نہیں ہے۔ لہذا اس کو بالاتفاق ناجائز کہنا چاہیئے۔ کیونکہ مزارعت میں جب معین مدت نہ ہوگی تو بالاتفاق ناجائز ہے۔

باقی سلف وخلف کا تعامل اور کسی کا انکار نہ کرنا اس سے بھی جواز پر دلیل لینا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ ہوسکتا ہے کہ یہ سکوت اس لئے تھا کہ یہ مسئلہ اجتہادی نوعیت کا تھا۔[1]

کیفیت نظام اجتماع | شاہ صاحبؒ[2] کی نظر میں فرد کی طرح انسانی اجتماع کا نظام بھی تین طرح کا ہوتا ہے:-

۱۔ کامل صحت ۲۔ ناقص صحت ۳۔ مرض مہلک

انسانی طبیعت کا اصل مقتضا تو یہ ہے کہ وہ اچھی صحت پر رہے۔ اور جب اس میں خلل واقع ہوتا ہے تو (انسانی اجتماع کی) صحت بگڑ جاتی ہے، اس حالت میں یا تو صحت ناقص رہتی ہے یا اسے مُہلک مرض لاحق ہوجاتا ہے جو بالآخر (معاشرہ کو) ہلاک کردیتا ہے، (اس کے ساتھ یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ) ارتفاق کی پہلی منزل سے کوئی بھی انسانی فرد خالی نہیں ہوسکتا، چاہے وہ پہاڑوں پر رہتا ہو یا صحراؤں میں بود و باش رکھتا ہو، اسی طرح ارتفاق کی دوسری منزل سے انسانیت کی اکثریت بچ نہیں سکتی، خاص طور پر بڑے شہروں کے رہنے والے اور مہذب لوگ تو اس کو ضرور اپناتے ہیں۔ اگر کسی جگہ

---

[1] اما شرعیۃ المزارعۃ فقد اختلف فیہا۔ قال ابوحنیفۃؒ انہا غیر مشروعۃ۔ وبہ اخذ الشافعیؒ الخ بدائع وصنائع علامہ کاسانی کتاب المزارعۃ۔

[2] واعلم ان للنظام الانسانی صحۃ کاملۃ ودونہا صحۃ ناقصۃ ودونہا مرض مدنف۔ وبالجملۃ فمقتضی اصل طبیعۃ الانسان الصحۃ الکاملۃ واذا نابت نوائب فی البدن فالصحۃ الناقصۃ او المرض المدنف۔ فالارتفاق الاول الخ البدور البازغۃ صفحہ ۹۵ طبع مجلس علمی ڈابھیل

یہ دوسرا ارتفاق دیکھنے میں نہ آئے تو اس کا اصلی سبب ان لوگوں کے مزاج کی خرابی ہوگی
تیسرے ارتفاق کو بھی اللہ تعالیٰ ظاہر کرتا رہتا ہے۔

اس مختصر تمہید کے بعد یہ جاننا ضروری ہے کہ انسانی معاشرہ کی صحت کا مدار مال اور دولت کی عادلانہ تقسیم پر ہے۔ تیسرے ارتفاق میں جب ایک حکومت وجود میں آتی ہے تو اس کا بھی اولین فریضہ، دولت کی عادلانہ تقسیم ہے۔ انبیاء علیہم السلام نہ صرف انسانوں کی اُخروی فلاح کے لئے تشریف لائے تھے بلکہ ان کی دعوت کا ایک، اہم پہلو انسانیت کی دنیوی بہبود اور فلاح بھی تھا۔ یہی سبب ہے کہ یوسف علیہ السلام کی جب مصر کے بادشاہ کے سامنے عصمت اور امانت کھل کر ثابت ہوئی تو انھوں نے یہ کہہ کر وزیر خزانہ کا عہدہ طلب فرمایا قَالَ اجْعَلْنِي عَلَىٰ خَزَائِنِ الْأَرْضِ ۖ إِنِّي حَفِيظٌ عَلِيمٌ یعنی "مجھے زمین کے خزائن کا محافظ بنادو، کیونکہ میں مال و دولت کی حفاظت اور اس کے عادلانہ تقسیم سے باخبر ہوں۔" حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لے کر حضرت یوسف علیہ السلام تک اس خاندان کی ثروت اور خوش حالی کا مدار مویشیوں کے ریوڑ پر تھا اور اس میں ہر م کی تعلیم موجود ہے، مثلاً ریوڑ کی بہتری کا خیال رکھنا اور ایسی تدابیر اختیار کرنا جن سے اس کی پیدائش میں اضافہ ہو دوسرے یہ کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی تربیت اور نشوونما ایک امیر گھرانے میں ہوئی تھی اس بناء پر شعبہ مالیات کی ترقی کے وسائل کو خوب سمجھ سکتے تھے، اس لئے بادشاہ سے کہا کہ میں (معاشی معاملہ میں) اچھی خبر رکھتا ہوں۔

شاہ صاحبؒ کی رائے میں تو جتنے بھی انبیاء علیہم السلام تشریف لائے تھے ان سب کی نبوت تدبیر الٰہی کا ایک حصہ ہوتی تھی۔ انسان، انسانی اجتماع اور معاشرہ کو مصائب سے بچانے کے لئے جو طے شدہ تدبیر الٰہی ہے، نبوت اس کا ایک جزو تھا یہی وجہ ہے کہ تدبیر الٰہی اسے اختیار کرتی تھی اور انبیاء مبعوث ہوتے تھے۔ اس ضرورت کو خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن حکیم جیسی کامل اور وحی کے ذریعہ منزل کتاب اور شریعت حقہ کے قیام سے ختم کردیا۔

شاہ صاحبؒ کی اصطلاح اقتراب اور ارتفاق سے اصلی مقصد اور مراد انسانی اجتماع

فکری وحدت اور اقتصادی اشتراک ہے۔ قرآن شریف کی سورۂ روم میں فکری وحدت کی خلاف ورزی کی مذمت ان الفاظ میں بیان ہوئی ہے ۔ اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِیْ شَیْءٍ یعنی جن لوگوں نے فرقے بنائے ہیں تیرا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ (کیونکہ وہ وحدت فکری کو خراب اور برباد کر رہے ہیں)۔

اس آیت کے مضمون کو سمجھنے کے لئے وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ کے الفاظ پر غور فرمائیے ۔یعنی اللہ سے تعلق پیدا کرو اور نماز اس تعلق کا سب سے بڑا ذریعہ ہے ۔اور یہی اقتراب ہے۔ یعنی ایسی جماعت پیدا کرد جس کا اللہ تعالیٰ سے تعلق ہو۔ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ کے سوا اپنے اپنے سردار بناکر ان کو مت پوجو۔ یعنی ان سرداروں کے احکام اور اشاروں پر چل کر فطرتِ الٰہی کو مت بگاڑو۔ یہ سردار تم کو آپس میں لڑا کر فرقہ بازی کا مرض پیدا کریں گے۔

اس لحاظ سے مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ سے مراد مِنَ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا ہوگا۔ مطلب یہ کہ وہ اپنے اپنے سرداروں کی طرف داری کرتے ہیں اور اس تفرقہ کی یہ صورت ہوگی کہ کچھ لوگوں نے ایک آدمی کی پیروی قبول کر کے اس کو اپنے لئے معبود کا درجہ دے دیا اور اس کے تابع ہوکر ایک فرقہ بنالیا۔ اور دوسرے لوگوں نے کسی دوسرے انسان کو اپنا سردار بنالیا۔ فرقہ پرستی اسی طرح بڑھتی رہی۔ اور یہ فطرت کے خلاف ہے۔ ہر سردار اپنی جماعت کو بڑھا کر اس کو دوسری جماعت سے لڑا دیتا ہے۔

انسانی معاشرہ کی فلاح باہمی کشت و خون کی اجازت نہیں دیتی۔ جب انسانی اجتماع یا ہیئت اجتماعیہ ٹکڑے ٹکڑے ہوجاتی ہے تو باہمی جنگ و قتال ناگزیر ہوتا ہے۔ اگر سوسائٹی کو فطرت کے مطابق رکھنا منظور ہے تو اس کا دینی سردار ایک ہونا چاہئے، اور یہ ایک اللہ ہے۔ اس سے یہ بات صاف صاف سمجھ میں آتی ہے کہ شرک انسانی اجتماع کی فطرت کے خلاف ہے جو اسے دو حصوں میں بانٹ کر لڑا دیتا ہے۔

انسانی اجتماع کے لئے فکری وحدت کے بعد اقتصادی اشتراک اور مالی تعاون ضروری چیز ہے۔ اس سے انسانی معاشرہ مضبوط ہوتا ہے، جب تک کسی معاشرہ میں

اس کی تکمیل نہ ہوگی اور تقسیم مال و دولت کا نظام عادلانہ اور مساویانہ نہ ہوگا تو یہ بحرانی حالت سے دوچار ہوگا اور اس سے صحیح امور کا صدور نہ ہوگا اور نہ وہ ٹھیک طور پر ترقی کرسکے گا۔

اقتصادی اشتراک رکھنے کے لئے جماعت کے ہر فرد کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنی ضرورت سے زائد مال و دولت کو اس طرح تقسیم کرے کہ اس سے اول اپنے رشتہ داروں کی ضرورت واحتیاج کو پورا کرے اور ان کو حصہ دے۔ فَاٰتِ ذَاالْقُرْبیٰ حَقَّہٗ اسی کی طرف اشارہ ہے اس کے بعد قرآن مجید میں وَالْمِسْکِیْنَ کہہ کر یہ حکم صادر ہوا کہ رشتہ داروں کے ساتھ مساکین کو بھی اپنے مال میں شریک بناؤ۔ پھر وَابْنَ السَّبِیْلِ مسافر کا ذکر ہوا اسے بھی اس کا حق دو اور اس کو اپنے مال میں شریک بناؤ۔ ایک خاندان کو دوسرے خاندان سے اور ایک قوم کو دوسری قوم سے ملانے کے لئے مسافروں کی ضرورت رہتی ہے۔ سیاحت پیشہ لوگ ہمیشہ قوموں میں آتے جاتے رہتے ہیں اور ایک سوسائٹی کے حالات سے دوسری سوسائٹی کو باخبر کرتے رہتے ہیں۔ اس طرح یہ سوسائٹی کا ایک مفید حصہ ہیں سوسائٹی کا ہر فرد جب مسافروں کو اپنی زندگی کی ضرورتوں میں شریک کرتا ہے تو انسانی اجتماع اور سوسائٹی میں ایک قسم کا اشتراک پیدا ہوتا ہے۔ یہ ایک ایسا قانون ہے جس سے انسانوں میں بتدریج محبت اور اقتصادی اشتراک اور تعاون پیدا ہوتا جاتا ہے اور اس طرح انسانی دماغ پر کسی قسم کا بوجھ نہیں پڑتا۔

اسلام نے ایک ایسا اقتصادی نظام پیدا کیا ہے کہ جب اس پر عمل ہوتا تھا تو ایک مسلمان ہسپانیہ سے لے کر چین تک ایک پیسہ لئے بغیر سفر کرسکتا تھا۔ نوجوان مسلمانوں کو اپنی طبیعت کے موافق جس فن کا شوق پیدا ہوتا تھا اس کی تکمیل کے لئے بغیر پیسہ سفر کرتے اور دنیا بھر کی اسلامی سوسائٹی کے ذریعہ اپنے فن کی تکمیل کرتے تھے اس طرح نہ تو کسی آدمی پر بوجھ پڑتا تھا اور نہ مسافر مسلمان مالی امداد لینے میں اپنی کسرشان سمجھتے تھے۔ یورپ اپنی ترقی کے دور میں بھی یہ روح پیدا نہ کرسکا۔

افسوس ہے کہ یہ اقتصادی اشتراک اور تعاون آہستہ آہستہ مسلمانوں میں سے اٹھتا

گیا، جس کے نتیجہ میں مسلمان اپنی ثقافتی وراثت چھوڑ کر تنزل اور غلامی کی زندگی بسر کرنے لگے۔ دنیا کی اکثر آبادی کے نوجوان اشتراکیت کی طرف مائل ہیں مگر ان کا لائحہ عمل دینی سعادت سے بے بہرہ ہے۔ اسی وقفہ میں اگر مسلمان نوجوانوں نے اپنے اقتصادی اشتراک کے ورثہ کو دوبارہ ہاتھ میں لانے کی تھوڑی سی کوشش شروع کر دی تو پھر ان کو کوئی غلام نہیں بنا سکتا۔ مسلمانوں کی کسی جماعت یا قوم میں اگر یہ کام شروع ہو گیا تو امید ہے کہ مسلمانوں کی دوسری قومیں بھی اس میں بہت جلد شریک ہو جائیں گی اور ایک ایسا زبردست بین الاقوامی اسلامی مرکز بن جائے گا جس کا مقابلہ کوئی طاقت نہ کر سکے گی۔

لمحات

(عربی)

شاہ ولی اللہؒ کے فلسفۂ تصوف کی یہ بنیادی کتاب شروع سے نایاب تھی مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی کو اس کتاب کا ایک پرانا قلمی نسخہ مل گیا، موصوف نے بڑی محنت سے اس کی تصحیح کی اور شاہ صاحبؒ کی دوسری کتابوں کی عبارات سے اس کا مقابلہ کیا اور وضاحت طلب امور پر تشریحی حواشی لکھے۔ کتاب کے شروع میں مولانا کا ایک مبسوط مقدمہ ہے۔ شاہ ولی اللہ اکیڈمی نے مصری ٹائپ میں خاص اہتمام سے اس کو چھاپا اور نشر کیا۔ پہلا ایڈیشن جلد ہی ختم ہو گیا اب دوبارہ یہ کتاب زیر طبع ہے اور مزید تصحیح و تحقیق سے شائع ہو رہی ہے۔

شاہ ولی اللہ اکیڈمی صدر حیدرآباد